روزنامہ جنگ کے اداریے

"اسلامی نظام کا عملی خاکہ تو پیش کیجئے" کا تعاقب

حافظ شریف اللہ شاہد۔ فیروزوٹواں

ہماری قومی اخبارات میں کئی قسم کے "دانشور" پائے جاتے ہیں اور یہ "دانشور" آئے دن اپنی نام نہاد "دانشوری" کے عجیب و غریب نمونے چھوڑتے رہتے ہیں اور بد قسمتی سے ہمارے ہاں دانشور بھی اس کو سمجھا جاتا ہے جو کہ مغرب کی پالیسیوں کی تعریف میں دن رات صرف کرے اور حتی الامکان اسلام اور اس کے ماننے والوں کو دقیانوسی خیالات کا حامل مشہور کرے۔ اس سلسلے میں روزنامہ جنگ اپنا کردار نہایت مستعدی سے ادا کر رہا ہے۔ مارچ کے پرچے میں اس نے ایک عجیب و غریب اداریہ جاری کیا۔ بنیادی طور پر اس نے تین بڑی اہم باتیں کی ہیں۔ ایک تو اس کے نزدیک علماء کا سودی نظام کے خاتمہ والا مطالبہ غیر ضروری ہے کہ اب تک علماء اس کا متبادل پیش کرنے سے قاصر ہیں۔ دوسرا اس کے نزدیک اگر علماء عوام سے قریبی تعلق کی بناء پر ان کے اخلاق و کردار کو نہیں سنوار سکے تو پھر حکومت کو عوام کے اخلاقی انحطاط کا ذمہ دار گردانا کہاں تک درست ہے۔ تیسری بات جمعہ کی چھٹی کے بارے میں تھی کہ یہ علماء کا حالات حاضرہ کے تقاضوں سے بے خبری کا نتیجہ ہے کہ وہ جمعہ کی چھٹی کا مطالبہ کرتے ہیں۔

میں روزنامہ جنگ اور اس کے اعلیٰ درجے کے "دانشوروں" کی دانش اور عقل و فراست کے بارے میں کیا کہوں کہ جن کے دانشوروں کی ابتداء ہی اسلام دشمنی سے ہوتی ہے۔ اب یہ تین بنیادی نکات جو اٹھائے گئے ہیں میرا خیال ہے کہ کوئی بھی صاحب شعور آدمی ان کو تسلیم نہیں کر سکتا۔

جہاں تک سودی نظام کے خاتمہ کا مطالبہ ہے تو یہ ہمارے علماء کا مطالبہ ہی نہیں بلکہ اس خالق ارض و سماء کا مطالبہ ہے کہ جس نے رحمت کائنات کو دین اکمل دے کر مبعوث کیا اور تمام جرائم میں سے یہی وہ واحد جرم ہے جس کو خدا اور رسول سے اعلان جنگ کے مترادف کہا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

یا ایها الذین اٰمنوا اتقوا الله و ذروا ما بقی من الربوٰ۔ (البقرہ)

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے ہوئے سود کے خاتمے کا اعلان کر دو۔

اور رسول ہاشمی ﷺ نے فرمایا تھا:

"میں اگلے اور پچھلے تمام سود کے خاتمے کا اعلان کرتا ہوں۔ اصل میں تمام انسانوں کو اسلام کے اس عظیم الشان نظام معیشت پر رب کا شکریہ ادا کرنا چاہئے تھا کہ اس نے دولت کو ایک مخصوص گروہ میں نہیں رہنے دیا کہ جس کی بناء پر امیر امیر تر اور غریب غریب تر بنتا جائے۔ بلکہ اس نے دولت کی گردش اور اس کو کاروبار میں کھپا کر آجر اور اجیر دونوں کی زندگی آسان بنا دی۔

ارشاد فرمایا:

لا یکون دولة بین الاغنیاء منکم۔

اسلامی نظام معیشت کی خصوصیت یہ ہے کہ دولت اغنیاء میں ہی گردش نہ کرتی رہے۔

دوسرا مجھے ایک اہم قومی روزنامے کی بے خبری پر بھی بڑی حیرت ہوئی۔ اخبار نویس تو محلاتی سازشوں اور صقیہ خبروں سے بھی کئی ماہ قبل آگاہ ہو جاتے ہیں۔ لیکن یہ ہمارے "دانشور" اتنے لاعلم ہیں کہ سودی نظام کا متبادل علماء نے کب کا پیش کیا ہوا۔ اسلامی نظریاتی کونسل نے ایک مکمل متبادل نظام حکومت کو پیش کیا۔ پھر "معروف عالم دین جسٹس تقی عثمانی نے اس کے متبادل نظام پر ایک مکمل کتاب لکھی۔ اسلامی نظریاتی کونسل کی سفارش کی روشنی میں سپریم کورٹ آف پاکستان

نے اپنے تاریخی فیصلہ میں سود کو ظالمانہ نظام قرار دے کر حرام قرار دیا تھا۔اس کے علاوہ دور حاضر میں اسلامی بینک کی شکل میں ایک مکمل غیر سودی نظام کا نعم البدل ہمارے سامنے ہیں۔

سچی بات ہے کہ "انما الاعمال بالنیات" کے مصدق اگر نیت کام کرنے کی ہو تو پھر کوئی بھی کام چنداں مشکل نہیں ہے۔ ڈھونڈنے والوں کو تو دنیا بھی نئی مل جاتی ہے چہ جائیکہ ہم اسلام کے ازلی قانون کے بارے میں چہ میگوئیاں کریں۔ جہاں تک متبادل نظام کا تعلق ہے تو کیا اس نے مضاربت کی صورت میں ایک بہترین نظام ہم کو نہیں دیا۔ ہماری نیت ٹھیک ہو تو یہ نظام اب بھی دنیا کے نظاموں سے بہترین اور صاف شفاف ہے۔ جو بھی بینک کام کرتا ہے اگر وہ کسی کو قرضہ دیتا ہے تو قرضدار پر ایک نمائندہ بھی مقرر کر سکتا ہے۔ مثال کے طور پر ایک آدمی فیکٹری لگانا چاہتا ہے تو جو بینک اس کو قرضہ دیتا ہے۔اس پر یہ بھی ضروری ہے کہ وہ ایک منشی یا نمائندہ اس فیکٹری میں مقرر کرے۔جو روزانہ کی آمدن اور خرچ پر نظر رکھے ۔ اپنے بینک کو اس چیز سے خبر دار رکھے کہ اتنا مال موجود ہے اتنا مال فروخت ہو چکا ہے۔اس پر اتنا خرچ ہے اس کے کئی فوائد ہیں۔

ایک تو جو قرضہ اس نے حاصل کیا وہ گردش میں رہا اور کسی کو ہڑپ کرنے کی جرات نہ ہوئی۔

دوسرا جب وہ رقم مال بنانے میں لگی تو مال کے مارکیٹ میں آنے سے روز بروز بڑھتی ہوئی گرانی پر قابو پایا جا سکتا ہے۔اس عمل سے کئی انسانوں کو روزگار بھی مل سکتا ہے۔اسی طرح اگر وہ رقم زرعی قرض کی صورت میں ہے تو اس فصل وغیرہ کے حساب کتاب پر بھی کوئی آدمی مقرر کیا جا سکتا ہے۔ جس سے گندم' چاول اور دوسری غذائی اجناس کی قلت پر بھی قابو پایا جا سکتا ہے اور زمین کو بھی بیکار رکھنے کی بجائے کار آمد بنایا جا سکتا ہے۔اگر ہر زمین یا ہر فیکٹری پر ایک نمائندہ مقرر کرنا دشوار ہے تو علاقے کے حساب سے بھی نگران مقرر کئے جا سکتے ہیں۔ لیکن حقیقت میں اگر حسن نیت کے ساتھ حسن عمل نہیں ہے تو نظام جتنا بھی عمدہ ہو بیکار ہے۔

اب ذرا مجھے سودی نظام بینکاری کے حاملین بتائیں کہ اس نظام نے تم کو کیا دیا۔ کونسا بینک ہے جو کہ ان مقاصد میں کامیاب ہے۔ بینک کو تو بس اپنے مقررہ حصہ لینے سے غرض ہے' باقی قرضدار قرضہ کی چاہے کوٹھیاں بنائے' بڑی بڑی گاڑیاں خریدے' اقرباء پروری کرے جو مرضی کرے ہمارے بینکوں کو اس سے کیا غرض۔ اسی وجہ سے تو گرانی بڑھتی ہے جب کوئی کاروبار نہ ہو گا تو مارکیٹ میں گرانی کیسے ختم ہو گی۔

قابل فکر بات تو یہ ہے کہ پورا ملک تو ۱۸۔۱۹ ارب کا مقروض ہو اور بینکوں کے نادھندگان 135 ارب روپے ہڑپ کر چکے ہوں اور ہمارا یہ نظام ان سے قرض کی واپسی کا بھی کوئی بندوبست نہ کرے۔ جبکہ دوسری طرف وہی وڈیرے' جاگیردار اپنے اپنے بنگلوں' کوٹھیوں میں بیٹھ کر اور بڑی بڑی گاڑیوں میں سیر سپاٹے کر کے عیش و عشرت سے جی رہے ہوں اور جب کوئی اپنی حکومت آئے تو قرض کو معاف کروا لے۔ اگر بینک کا نمائندہ اس کی فیکٹری میں موجود ہو تو کوئی وجہ نہیں کہ دوسرے دن اس کی فاضل کاٹن کی گانٹھوں میں آگ لگ جائے۔

دوسری بات کہ علماء اس معاشرے کا جزو لاینفک ہیں اگر وہ عوام کے اخلاق و کردار کو نہیں سنوار سکے تو حکومت سے کیا گلہ ؟ مجھے اس چیز کا تو اعتراف ہے کہ علماء حقیقی معنوں میں اپنا کردار ادا کرنے سے قاصر ہیں۔ لیکن اگر اس ملک میں اسلامی تشخص اور صاحب اسلامؐ کا تقدس باقی ہے تو یہ بھی انہی علماء کی مرہون منت ہے۔ یہ ہمارے علماء کی سعی و جدوجہد کا نتیجہ ہے کہ روکھی سوکھی کھا کر بھی رب کے دین کو پھیلا رہے ہیں اور اخلاق محمدیؐ سے آگے شمعیں روشن کئے جا رہے ہیں۔ میرے نزدیک اگر موجودہ بے دینی اور سیکولر ازم کے پیچھے سب سے بڑا کردار ہے تو وہ حکومت کا ہے۔

"الناس علی دین ملوکھم۔

لوگ تو اپنے حاکموں کی اتباع کرتے ہیں۔ مثلاً اس کی مثالیں تاریخ کے اندر کافی موجود ہیں۔

ولید بن عبدالمالک کو عمارتیں بنانے کا بڑا شوق تھا۔اس کے دور میں ہر طرف عمارتیں بننا شروع ہو گئیں اور ہر محفل اور ہر گھر میں یہ موضوع عام ہو گیا کہ عمارتیں کیسی ہوں' کونسی اچھی ہے۔ عبدالمالک بن مروان کو عمدہ کھانے کا بڑا شوق تھا۔ عوام میں بھی عمدہ کھانے پکانے کا رواج عام ہو گیا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو علم و تقویٰ اور حدیث رسول کی تبلیغ کا بڑا شوق تھا پوری سلطنت میں علم و تقویٰ کا چرچا ہو گیا۔ لوگ اٹھتے بیٹھتے تقویٰ پرہیز گاری

کی باتیں کرنے لگے۔ علم حدیث کی کتابت اور اس کے آگے جاری کرنے کا رواج عام ہوا۔ آپؒ سے پہلے شعراء خلفاء کے دربار میں آکر اپنی شعر و شاعری کو ذریعہ کمائی بناتے تھے۔ جس کی وجہ سے ہر طرف شعر و شاعری کا رواج ہوتا۔ لیکن جب حضرت عمر بن عبدالعزیز کی حکومت آئی تو یکلخت یہ تمام فضول کام ختم ہوئے۔

اس سے ظاہر ہوا کہ لوگوں کی اکثریت اتنی دیر تک اثر کو قبول نہیں کرتی جتنی دیر تک حکومت نہ یہ کام سرانجام دے۔ دین جب مکہ میں تھا تو تب بھی سچا تھا۔ فتوحات سے پہلے بھی سچا تھا لیکن کتنے آدمی دائرہ اسلام میں آئے۔ خیبر و فتح مکہ کی لڑائیوں کے بعد فوج در فوج لوگوں کے اسلام میں آنے کی ایک وجہ زمام اقتدار کا رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں میں آنا تھا۔

اب علماء جلسے کرتے ہیں' خطبات جمعہ میں وعظ نصیحت کرتے ہیں تو اس کا اثر کیسے ہو لوگ مسجد میں آئیں تو ان کے دلوں پر جو اثر ہوتا ہے گھر میں جا کر ٹیلی ویژن' ریڈیوں کے فحش پروگرام اور تقویٰ اور خوف خدا سے دور ہٹے ہوئے پروگرام اس سارے اثر کو زائل کر دیتے ہیں۔ ایک بچے کو استاد سکول میں ڈراتا ہے اور نماز کی تلقین کرتا ہے۔ ٹی وی پر لگا میچ یا کوئی ڈرامہ اس کے سارے ڈر کو ختم کر دیتا ہے۔ مسجد میں آنے والی عزت و آبرو اور والدین کے تقدس کے بارے میں تاثر لے کر آنے والی عورت اگر ہمارے ٹی وی' سینما گھروں اور اخبارات و جرائد میں آنے والی عشقیہ قصوں کہانیوں سے متاثر نہ ہوگی تو اور کیا ہوگا؟ ایک چور یا ڈاکو کو جب تک اس کے جرائم پر قرار واقعی سزا نہ ملے تو وہ ان جرائم سے تائب کیسے ہوگا۔ جھوٹ' غیبت' الزام تراشی اور ایک دوسرے کی پگڑی اچھالنے کی مذموم کوشش کا سدباب تو حکومتی سطح پر ہی ہو سکتا ہے۔

تیسری بات جمعہ کی چھٹی کی ہے۔

مانا کہ اسلام میں چھٹی کا تصور نہیں لیکن اگر ہم چھٹی کرنا ہی چاہتے ہیں تو کیوں نہ اس دن کو مقرر کریں جس میں دینی اعتبار سے نقصان کم ہو۔

جمعہ کی چھٹی پہلے بھی ہوتی تھی

اب جب سے یہ چھٹی بند ہوئی ہے ذرا اس دن سے لے کر آج تک کوئی موازنہ تو پیش کرے کہ پہلے ہم کو اس چھٹی سے یہ کاروباری نقصان ہوتا تھا اور اب یہ فائدہ ہوا ہے۔ دنیا کی سب سے بڑی تجارتی منڈی دبئی میں ہے۔ کیا اس چھٹی سے وہ منڈی مندے کا شکار ہو گئی۔ عرب اور دوسرے کئی ممالک کہ جن میں اب بھی جمعہ کی چھٹی ہے کیا وہاں کاروبار نہیں ہوتے۔ جبکہ اگر اس کے نقصان کو دیکھا جائے تو بہت زیادہ ہیں۔ ہمارا معاشرہ مخلوط معاشرہ ہے۔ اس میں اہلحدیث' دیوبندی' بریلوی اور شیعہ مکاتب فکر کے لوگ رہتے ہیں۔ ایک جگہ کام کرنے والے ان تمام مسالک کے لوگوں کے لئے یہ ممکن نہیں کہ ان کو قریب کوئی اپنی مسجد مل جائے۔ اس صورت میں یا تو وہ دفتر میں ہی نماز ادا کرے گا جس کی وجہ سے جمعہ جیسے عظیم فریضہ سے محروم رہ جائے گا یا وہ بادل نخواستہ دوسرے مسلک کی مسجد میں چلا ہی جاتا ہے تو اس کو وہ روحانی نصرت نہیں مل سکتی۔ اسی طرح جب چھٹی ہوتی ہے تو سارا دن کام کاج کر کے آنے والے سے تھکے ہوئے کے لئے یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ فی الفور تیار ہو کہ نماز کی ادائیگی کے لئے مسجد میں جا سکے۔ اسی طرح سکول و کالج میں سارا دن استاد اور پروفیسر کے لیکچر سننے والے طلباء کو ایک عالم دین کی گھنٹہ یا آدھ گھنٹہ کی وعظ و نصیحت سننے پر کون آمادہ کرے گا۔ ان تمام صورتوں میں خرابی دین کی ہے' ایک بڑی اکثریت نماز جمعہ کی ادائیگی سے محروم رہ جاتی ہے اور شائد ہمارے "دانشوروں" اور حکومتی "کارندوں" کی یہ بڑی کامیابی ہے۔

علاوہ ازیں اگر چھٹی میں کوئی نقصان ہے ہی تو وہ صرف بینکوں کی حد تک ہے۔ کیوں نہ ہم صرف بینکوں کو ہی اتوار کی چھٹی کا پابند بنائیں۔ باقی اداروں مثلاً تعلیمی مراکز' مارکیٹ وغیرہ میں اگر جمعہ کی چھٹی ہی بحال رکھی جائے تو کیا حرج ہے۔ مسلمان اطمینان کے ساتھ اپنی اس آٹھ روز بعد آنے والی عید کو خدا کی خوشنودی میں گزار دیں۔

ہمارے قومی اخبارات اور دوسرے جرائد کے کارپردازوں میں اگر غیرت ایمانی اور حب الوطنی ہے تو ان کو چاہیے کہ وہ اس اساس کی مضبوطی کا بندوبست کریں جس کی بنا پر اس ایک علیحدہ مملکت کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ اسلام اور پاکستان لازم و ملزوم ہیں۔ اگر خدانخواستہ اسلام کو اس ملک کی تقدیر بننے سے روکا گیا تو یہ ملک کبھی بھی باقی نہیں رہ سکتا اور حقیقت میں تقسیم ہند کا جواز بھی ختم ہو جاتا ہے۔

اخباری مدیران اور خصوصاً جنگ کے اصحاب سے میری گزارش ہے کہ اپنی اداؤں پر ذرا غور کریں۔ خدارا کلمہ طیبہ کی لاج

بقیہ صفحہ نمبر ۱۰ پر